64 Taghaabun Madany Aayaath 18

(۶۴)

سُورۂ تغابُن

یہ سورت اکثر مفسرین کے نزدیک مدنیہ ہے لیکن حضرت ابن عباس اور عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت بھی ہے کہ صرف آخری آیات مدنیہ ہیں واللہ اعلم

(اور اس میں (۱۸) آیات ہیں)

ماقبل سے ربط سورت ماقبل سے اس کی مناسبت کئی طرح ہے۔ ایک یہ سورت گزشتہ میں منافقین کے بیان کے بعد اہل ایمان کو مخاطب فرمایا گیا تھا۔ اس سورۃ شریفہ کی ابتداہی میں انسان کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں فمنکم کافر و منکم مؤمن۔ تم میں سے (اے لوگو!) بعض تو منکر ہیں اور بعض ایمان والے۔ دیگر یہ کہ گزشتہ سورت میں ارشاد ہوا تھا۔ لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ تم کو تمھارے اموال اور تمھاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائے۔ اور یہاں ارشاد ہو رہا ہے انما اموالکم و اولادکم فتنۃ تمھارے اموال اور تمھاری اولاد محل امتحان ہے" گویا کوئی سائل سوال کرتا تھا کہ اموال اور

اولاد یاد خدا سے کیوں غافل کرے گی؟ تو اس کا جواب یہاں دیا جا رہا ہے
اس لئے کہ اموال اور اولاد ہی تو ذریعہ امتحان ہے۔ تیسری وجہ مناسبت
یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف سورت ماقبل میں
ترسٹھ سال ہونے کی طرف ایماء ہوا تھا۔ اس سے متصل سورۃ تغابن واقع
ہوا ہے جس کے معنی ہار جیت کے ہیں۔ مطلب یہ حضور اکرمؐ کے یہاں سے
تشریف لے جانے کے بعد منافقین اور مومنین کی ہار جیت ظاہر ہو جائیگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

64-1 یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَہُ الۡمُلۡکُ
وَلَہُ الۡحَمۡدُ ۫ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝ پاکی بول رہا ہے جو کچھ
آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا راج ہے اور اسی کی تعریف
ہے۔ اور وہی ہر چیز پر پورا اقتدار رکھتا ہے۔

شاہانہ فرامین جس شان سے صادر ہوتے ہیں ان کی ایک صورت یہ
ہوتی ہے کہ حرف آغاز۔ عظمت شاہانہ وجلال ملوکانہ کا رنگ لئے ہوئے ہوتا
ہے۔ ان دنیوی اور عارضی بادشاہوں نے یہ طرز بھی کہاں سے سیکھا؟ اللہ کی

کتابوں سے ۔ ورنہ یہ بیچارے کیا جانیں ۔

چنانچہ شہنشاہ علی الاطلاق اور قادر مطلق کی بارگاہ سے اعلان ہو رہا ہے کہ اللہ سبحانہ کی شان کیا پوچھتے ہو ۔ آسمانوں میں جو کچھ ہے اور ساری زمین میں جو کچھ ہے خواہ بالفعل خواہ بالقوہ ہر وقت ہر لحظہ ہر آن اس کی نئی تسبیح پڑھ رہا ہے ۔ اور اللہ سبحانہ کی پاکی نت نئے طرز پر بیان کر رہا ہے ۔ زبان حال سے بھی اور زبان قال سے بھی ۔ یہ سلسلہ ہمیشہ سے قائم رہا ۔ اس وقت قائم ہے اور ابد الآباد کے لئے قائم رہے گا ۔ تسبیح یہی کہ اسی کا راج ہے ۔ اور اسی کی تعریف ہے ۔ بستی دنیا پر نظر ڈالو تو سینکڑوں راجے مہاراجے بادشاہ و شہنشاہ نظر آئیں گے جن کی تعریف و توصیف میں بڑے بڑے قصیدے لکھے اور پڑھے جاتے ہیں اگرچہ یہ بھی اللہ سبحانہ کی عطا اور دین ہے ۔ مگر چند روز گزرنے نہیں پاتے کہ ان میں ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں کہ ان کا تخت رہا نہ تاج نہ ان کا ملک رہا نہ راج ۔ کل تک جن کی تعریف وصیف کے پل باندھے جا رہے تھے آج کس مپرسی کے عالم میں ہیں ۔ ان کے ساتھ کمال بے اعتنائی برتی جا رہی ہے بلکہ تعریف کی جگہ مذمت ۔ اور عیب جوئی کا بازار گرم ہے ۔ قربان اس مقتدر حقیقی کے جس کی ذات تغیر وزوال سے پاک ہے اور جس کا اقتدار

ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم ہے اور جس کی حمد و ثنا کے گیت گائے جاتے اور اس کے اقتدارِ
اعلیٰ کا اعلان صبح و شام ہوتا چلا آ رہا ہے۔

64-2 هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ ٦٤
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے
اور کوئی تم میں ایمان دار اور اللہ وہ سب کچھ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

ایسی تعریف والے با اقتدار شہنشاہ علی الاطلاق ہی نے (اے انسانو!) تم سب کو بنایا، پیدا کیا اور نیست سے ہست کیا۔ اور فطری استعداد سب میں مساوی طور پر ودیعت رکھی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔ کلّ مولود یولد علی الفطرۃ ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی فطری استعداد اور صلاحیت سے کام لے تو عبادت آفرینش جو اپنی عبدیت اور اللہ سبحانہٗ کی ربوبیت کا اقرار اور عمل کے ذریعہ اس کا ثبوت بہم پہنچانا ہے انسان کے لئے بہت آسان امر ہے۔ اس کا اقتضا تو یہ تھا کہ تم سب کے سب اس پر ایمان لاتے اور اس کی حمد و ثنا میں آٹھوں پہر رطب اللسان رہتے اور اس کی طاعت و عبادت کا پیکر مجسم بنتے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ بُرے ماحول کے اثرات سے متاثر ہو کر اس فطری صلاحیت و استعداد کو بگاڑ دیا جاتا ہے۔ مثلاً وابواہ یھوّدانہ

وینصرانہ و یمجسانہ ۔ کہ اس کے ماں باپ یہودی ہیں تو بچے کو یہودی بنا دیتے یا نصرانی ماں باپ اپنے بچے کو نصرانی بناتے یا مجوسی ماں باپ اس کو مجوسی بنا کر چھوڑتے ہیں ۔ یا خود بچہ اچھے ماحول میں پرورش پانے کے باوجود جب ہوش سنبھالتا ہے تو بری صحبتوں میں رہکر فاسق، فاجر، ملحد، زندیق اور بے دین بن جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت انسانی دو حصوں میں بٹ گئی ۔ کچھ تو ہو گئے منکر (اور ہر زمانے میں ان ہی کی بہتات اور اکثریت ہے) ۔ اور کچھ ہیں ایمان والے ۔ اور اللہ سبحانہ وہ سب کچھ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو ۔ کافر و منکر کا عمل سوائے انکار و کفر کے اور کیا ہو سکتا ہے لیکن دیکھنے کے قابل اگر کسی کا عمل ہو سکتا ہے تو وہ عمل مومن کا ہے ۔ دیکھنا یہ ہے کہ تمہارا ایمان و ایقان صرف زبانی اقرار یا اقرار لسانی کے ساتھ عمل کو بھی دخل ہے ؟ اگر محض اقرار رہا تو منافق میں بھی یہ وصف موجود ہے ۔ لہٰذا اس خالی اقرار کا کوئی وزن نہ ہوگا ۔ ہاں اگر تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کے ساتھ عمل بالارکان بھی ہو تو یہی چیز قابل دید ہوگی ۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ اذا امکث الملک فی الرحم اربعین لیلۃ اتاہ ملک النفوس فعرج بہ الی الرب فیقول یا رب اذکر ام انثی فیقضی اللہ ما ھو

قاض، فیقول اشقی ام سعید فیکتب ما ھو لاق ' (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن
المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) رحم میں نطفہ قرار پا کر چالیس راتیں گزرتی ہیں تو
انسانی جانوں پر جو فرشتہ مقرر ہے اس کو پروردگار تعالیٰ کے جناب میں لے اڑتا
اور عرض پرداز ہوتا ہے کہ پروردگار من! یہ نر ہوگا یا مادہ؟ اس پر جو حکم الٰہی
صادر ہوتا ہے وہ شرف صدور لاتا ہے پھر وہ فرشتہ دریافت کرتا ہے کہ یہ بدبخت
(کافر) ہوگا یا نیک بخت (مومن) تو اس پر بھی اس کو جیسا لکھنے کا حکم ہوتا ہے
اس کو لکھ لیتا ہے۔" اس کے ثبوت میں حضرت ابوذرؓ نے ابتدائی پانچ آیات
تلاوت فرمائیں۔ اسی پر دیگر امور کا قیاس کر لیا جائے۔ یعنی انسان کا رزق،
عمر، وغیرہ تمام اہم امور پیدائش سے پیشتر ہی بنا دیئے جاتے ہیں۔ یہ علم الٰہی کی وسعت
ہے کہ اللہ سبحانہ ہر شخص کے آئندہ درپیش ہونے والے واقعات فرشتوں کو لکھوا
دیتا ہے اور ہر شخص کرتا بھی وہی ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ کی طرف سے لکھوا دیا گیا
ہے لیکن انسان جو کچھ کرتا ہے وہ اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے۔ جو اصول
فطرت پر قائم رہ کر اپنی فطری استعداد اور صلاحیت سے کام لے گا اس کو بھی لکھ دیا
جاتا ہے اور کون برے ماحول کے اثرات اور بری صحبتوں سے متاثر ہو کر اپنی استعداد
بگاڑ لیگا اس کو بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر آخر پر تنبیہ فرمائی جارہی ہے کہ تم جو بھی

کرو گے ہم اس کو دیکھتے رہیں گے۔ چنانچہ انسان وہی کرتا ہے جیسا لکھا دیا گیا ہے۔ ان حالات میں انسان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ جیسا کریگا اپنے عمل کی جزا پانے کا مستحق ٹھہریگا۔ بری سزا پائی تو عین عدل ہوگا اور اگر اچھا ثمرہ حاصل کیا تو محض فضل۔

سورہ ۶۴ آیت ۳

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ 64-3

بنایا آسمانوں کو اور زمین کو تدبیر سے اور صورت کھینچی تمھاری پھر اچھی بنائی تمھاری صورت اور اسی کی طرف سب کو پھر جانا ہے۔

انسانی صورت بہترین صورت

آسمان بنائے یا زمین بنائی تو ایک کو دوسرے سے بے نیاز نہیں رکھا۔ عالم علوی کا تعلق عالم سفلی سے بے شمار صورتوں میں موجود ہے۔ نیز اسی طرح عالم سفلی کا ربط عالم علوی سے ان گنت طریقوں پر ہے۔ یدبر الامر من السماء الی الارض۔ آسمان سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک بے حساب تدابیر ہیں کہ زیر عمل لائی جارہی ہیں۔ ان تمام تدابیر کے ساتھ مزید عنایت یہ فرمائی کہ ان آسمانوں اور زمین میں مختلف صلاحیتوں اور استعداد کے ہژدہ ہزار بلکہ بے شمار مخلوقات پیدا کیئے۔ اور

ان سب کے منجملہ انسان کو سب سے بہترین صورت دی ان اللہ خلق آدم علی صورتہ کہ آدم کو اللہ سبحانہ نے اس کی اپنی صورت پر پیدا کیا" پھر ان کو مسجود ملائک بنایا۔ اب اس کو ساری کائنات کا آئینہ یا مجموعہ کہا جائے تو سزاوار ہے۔ یہ ایسی اچھی صورت ہے کہ اس سے بہتر صورت نہیں ہو سکتی اسلئے ارشاد ہو رہا ہے:۔ وصورکم فاحسن صورکم والیہ المصیر۔ اور صورت کھینچی تمھاری پھر اچھی بنائی تمھاری صورت" یہ تو ہے تمھارا آغاز کہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی جو کوئی تم کو دیکھتا ہے خوش ہوتا۔ آنکھوں سے لگاتا اور پیار کرتا ہے۔ طرح طرح کی خوشیاں مناتا ہے۔ اس حسن صورت کے ساتھ ایک مدت معین تک یہاں تم کو رہنا۔ اور اس کے ختم پر پھر اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تمھارا آغاز جس حسن صورت کے ساتھ ہوا تھا اس کا انجام کیسا ہوگا؟

یہ حسن صورت بہ اعتبار نوع انسانی ہے

یہ حسن صورت نوع انسانی کے لحاظ سے ہے۔ افراد سے بحث نہیں۔ جس کی کھلی نشانی یہ ہے کہ کوئی فرد بشر کیسا ہی سیاہ، بے ڈول اور کریہ المنظر ہو۔ انسانی صورت کو چھوڑ کر کسی اور نوع میں منتقل ہونے کو پسند نہیں کرتا۔ پھر کوئی ایسا بے ڈول اور کریہ المنظر بھی ہو تو اللہ سبحانہ نے اس میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ اپنے حسن عمل حسن اخلاق و کردار کی بدولت، علم و عرفان کے اعلیٰ منازل طے کر سکتا ہے۔ علم و عرفان کے دروازے سب پر یکساں کھلے ہوئے ہیں۔ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔ تنافس یقین جتنا چاہیں انسانیت کے اعلیٰ جوہر کا شوق کر سکتے ہیں۔ تاریخ و سیر کا مطالعہ کیجئے تو اس کی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا :-

چہ غم ز منقصت صورت اہل معنی را ۔۔۔ چو جاں ز روم بود گو تن از حبش میباش

نظر الٰہی صرف صورت پر نہیں قلوب پر ہے

حدیث شریف ہے :- ان اللہ لا ینظر الی صورکم بل الی قلوبکم۔ اللہ سبحانہ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھے گا بلکہ اس کی نظر تمہارے دلوں پر ہے۔" جو لوگ تن پروری اور آرائش ظاہری میں لگے ہوئے ہیں۔ یہاں ان کے لئے لمحۂ غور و فکر ہے کہ ہماری آفرینش کی غایت کیا ہے اور ہم کن خرافات میں مبتلا ہیں۔ ہم

کیا ہیں؟ کاش اس کی قدر پہچانیں :ـ

بدروں تست مصری کہ تو بے شکرستانش — چہ غم ست اگر زبیروں مدد شکر نہ داری
شدۂ غلام صورت بمثال بت پرستاں — تو چو یوسفی ولیکن سوئے خود نظر نہ داری
بخدا جمال خود را چو در آئینہ بہ بینی — بت خویش ہم تو باشی بہ کسے گزر نہ داری

64-4 يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں اور جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کھلے طور پر کرتے ہو اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو تمہارے سینوں (یعنی دلوں) میں ہے "

علم الٰہی کی وسعت یعنی امور کلیہ اور جزئیہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور تمہارے علوم ظاہری و باطنی جن پر تمہارے اعمال کا مدار ہے۔ وہ سب علم الٰہی میں ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ وہ منصوبے و افکار جو ابھی تمہارے سینوں کی گہرائی میں چھپے ہوئے ہیں اور اب تک میدان عمل میں نہیں آئے خواہ وہ حق ہوں یا باطل اہم ہوں یا معمولی سب کچھ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہیں "۔ تم جو کام بھی کر رہے ہو خواہ لوگوں کی نظروں سے چھپا کر یا نظروں کے سامنے۔ ان کی جزا

ان کاموں کی مناسبت کے لحاظ سے، اگر کام اچھے ہیں تو ان کی جزا بھی اچھی، اور اگر بُرے ہیں تو ان کی جزا بھی بُری مقرر ہے۔ نیکی کی جزا تو بہرحال ملے گی، اور برائی کی سزا مشیت الٰہی پر موقوف ہے خواہ اس کو نافذ فرمادے تو یہ عین عدل، یا معاف فرمادے تو محض فضل ہے، اور اگر جزئی طور پر نافذ فرمائے تو یہ بھی خالی از حکمت ومرحمت نہیں۔ لہٰذا جو منصوبے اور افکار وخیالات، آئندہ عمل میں لانے کے لئے تیار کررہے ہو ان کی نسبت بھی یہ سمجھ لو کہ اگر وہ نیک اور مطابق احکام ہیں تو اس کی اچھی جزا بھی تم کو ملے گی۔ اور اگر ان نیک ارادوں اور منصوبوں کو جامۂ عمل پہناؤ گے تو وہ گونہ سے لے کر سات سو گنا، بلکہ اس سے بھی زیادہ اجر ملے گا۔ اور اگر وہ افکار وخیالات بُرے ہیں تو اس کے کرم کا اقتضا یہ ہے کہ محض فکر وخیال کی بنا پر کوئی مواخذہ نہ فرمائے۔ ہاں اگر ان کو جامۂ عمل پہنادیا تو پھر اس کی بھی سزا مقرر ہے مگر ایک ہی سزا۔ اور اگر سزا سے پہلے تائب ہوجاؤ تو وعدۂ معافی جس کا کبھی خلاف نہ ہوگا اور اگر ایسے بُرے خیالات وافکار پر عمل نہ کرو اور اسی حالت میں اس کو چھوڑ کر بُرے خیال کو نیکی سے بدل دو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے؟ اس کا موقع حاصل ہے۔ اس کو ہاتھ سے جانے نہ دو ورنہ پچھتاؤ گے۔

64-5 اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ
64-6 اَمْرِھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتْ تَّاْتِیْھِمْ
رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا فَکَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا
وَّاسْتَغْنَی اللّٰہُ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ○ کیا نہیں آئے تمہارے ہاں

احوال ان لوگوں کے جو منکر ہو چکے پہلے پھر انھوں نے چکھی سزا اپنے کام کی اور ان کو عذاب دردناک ہے۔ یہ اس لئے کہ لاتے تھے ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں تو یہ کہا کرتے کیا آدمی ہم کو راہ بتائیں گے پھر منکر ہوئے اور منہ پھیر لیا اور اللہ نے بے پروائی کی اور اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا۔

کفار سے خطاب اس تمہید کے بعد اہل مکہ سے خصوصاً اور جملہ کفار سے عموماً خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ اگلی قوموں کے احوال کیا تمہارے علم میں نہیں آئے۔ خواہ تواریخ امم ماضیہ کے ذریعہ یا ان کو جاننے والوں کی زبانی مثلاً قوم عاد و ثمود یا قوم لوطؑ و شعیبؑ وغیرہم جن پر دنیا میں بھی مار پڑی اور آخرت میں وہ دردناک عذاب میں گرفتار رہیں گے جن کے پاس اللہ کے پیغمبر ہود و صالح لوط اور شعیب وغیرہم علیہم الصلاۃ والسلام اپنی نبوت و رسالت کے

کھلے نشان لے کر آئے اور اللہ سبحانہ کے پیام پہنچائے تو یہ اقوام بجائے اس کے کہ اللہ سبحانہ کے پیام کی قدر کرتے اور رسولوں پر ایمان لاتے، یہ کہنا شروع کردیا کہ کیا ہماری ہدایت و رہنمائی اللہ سبحانہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ہم جیسے بشر ہی کریں گے؟ مطلب یہ کہ بشر اللہ کے رسول کیوں کر ہوسکتے ہیں۔ یہ کام تو کسی فرشتہ کا تھا اور اگر بشر بھی رسول ہوسکتے ہیں تو یہ پیام ہم پر کیوں نہیں آتا؟ کبھی تو اس پر تعجب کا اظہار کرتے اور کبھی انسان کے رسول ہونے کا صاف انکار کردیتے۔ اس طرح انھوں نے حکم الٰہی کا انکار کیا اور بجائے اس کو قبول و منظور کرنے کے اس سے روگرداں ہوگئے تو اللہ سبحانہ کو بھی ان کی پرواہ نہیں رہی۔ فطری صلاحیت سب کو دی گئی تھی اور ان کی ہدایت کا سامان کیا گیا تھا مگر منکرین نے بری صحبتوں میں رہ کر وہ استعداد ہی خراب کرلی تو اللہ سبحانہ کو بھی ان کی پرواہ کیا ہوسکتی ہے۔ اللہ سبحانہ کی ذات تو ازلاً و ابداً ساری کائنات سے بے نیاز ہے۔ نہ اس کو اپنی کسی مخلوق کے ایمان و اطاعت کی حاجت ہے نہ خود کسی مخلوق کی۔ اگر روئے زمین اور ساتوں آسمانوں کے تمام جن و انس اور ملائکہ و حیوانات، نباتات، جمادات، جواہر و اعراض سب کے سب احکام ماننے لگیں، اور ابتدا سے انتہا تک اس کے آگے بلا استثنائے احد سے سر بہ سجود رہیں تو اس کی

خدائی میں ذرہ برابر اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ان سب کے منحرف و برگشتہ ہو جانے سے اس کی الوہیت میں کوئی فرق پیدا ہو سکتا ہے۔ پھر وہاں نہ صرف شان استغناء کارفرما ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کی حمد ہی کی جاتی ہے۔ ورنہ کوئی اور ہستی ایسے موقع پر استغناء برتے تو اس کی مذمت کی جاتی ہے۔ صرف خداوند تعالیٰ شانہ کی ذات ستودہ صفات ہے کہ ساری مخلوقات اور ان کی طاعات و عبادات سے مستغنی ہو جائے تو اس حالت میں بھی اس کی تعریف ہی کی جائے گی اور ساری تعریفیں اسکے لئے مختص رہیں گی۔ سبحانہ ما اعظم شانہ: ؎

مرا در ارسد کبریا و منی ۔ کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

64-7 زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ

لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

64-8 فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ دعویٰ کرتے ہیں منکر کہ ان کو ہرگز اٹھایا نہ جائے گا

آپ فرمائیے کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم کو بے شک اٹھایا جائے گا

پھر تم کو جتلایا جائے گا جو کچھ تم نے کیا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ لہٰذا ایمان

لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا اور اللہ کو

(رکوع ۱۸، ع ۱)

تمہارے سب کاموں کی خبر ہے "

منکرین خدا و رسول کا یہ دعویٰ ہے کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا نہ جائے گا۔ اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ ان کے اس دعوے کے جواب میں آپ ان سے فرمایئے کہ یہ محض تمہارا زعم ہے اور جہلا کی بے تحقیق باتیں ہیں جن کو سن کر تم ان کا چرچا کر رہے ہو ایسا بے تکا دعویٰ اور چرچا باطل اور غلط ہے۔ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے (بلکہ تمام انسان، جن و ملک تمام حیوانات اور ہر متنفس کو قیامت میں اٹھایا جائے گا)۔ پھر اس حیات دنیا میں جس نے جو کچھ عمل کیا ہے اچھا یا برا اس سے اس کو آگاہ کیا جائے گا۔ اور اس طرح سب کو زندہ کرکے ان کو اپنے اپنے عمل سے آگاہ کرنا، اللہ سبحانہ کے لئے بہت آسان ہے کیونکہ یہ تمام کائنات جس وقت موجود نہ تھی۔ اس کو بغیر کسی نمونے یا نقشے کے بنایا تھا تو کائنات کے فنا ہو جانے کے بعد اسی نمونے اور نقشے پر دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے؟ پھر دوبارہ ساری کائنات وجود میں آجائے گی اور ہر ایک کو ان کے اعمال سے باخبر کیا جائے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نیکوں کو ان کی نیکی کا ثمرہ ملے گا اور بروں کو ان کی بدی کے لحاظ سے سزا دی جائیگی۔ کیونکہ دنیا دار العمل تھی۔ دار الجزا نہ تھی، حیات اخروی دار الجزا میں ہوگی جہاں

عمل کرنے کا کوئی موقع نہ ملیگا۔ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسولؐ (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور جو نور (قرآن کریم) ہم نے آپ پر اتارا ہے اس نور پر بھی ایمان لاؤ۔ اور نہ صرف ایمان، بلکہ ایمان جس عمل کی رہنمائی کرتا ہے اس پر عمل پیرا رہو۔ اللہ سبحانہ کو تمہارے جملہ کاموں کی خبر ہے اس کے لحاظ سے استحقاق جزا پیدا ہوگا۔ حقیقت حال اور واقعہ نفس الامری یہی ہے اس کو چھوڑ کر اپنے مزعومات باطلہ اور دعاوی فاسدہ پر اڑے رہوگے تو موقع ہاتھ سے نکل جائے گا اور کف افسوس ملتے رہوگے جبکہ کوئی افسوس بھی کام نہ دے گا۔

بے تحقیق باتوں کی مذمت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سید البشر اروا حنا لہ الفدا نے زعم (یعنی سنی سنائی باتوں کو بلاتحقیق پھیلانے) کے باب میں فرمایا:۔ بئس مطیۃ الرجل۔ (ابن ابی شیبہ، ابن مردویہ) یہ انسان کی بہت بری سواری ہے"۔ یعنی انسان کو جھوٹے دعوؤں اور سنی سنائی باتوں کو بلاتحقیق بیان کرنے سے بچنا چاہیئے ورنہ جس کو بے تحقیق باتیں کرتے رہنے کی عادت ہو جائے اس کی مثال ایسی ہے کہ وہ کسی سرکش اور شریر گھوڑے پر سوار ہے ہر وقت اندیشہ لگا ہوا ہے کہ وہ اپنے سوار کو کس گھڑی اور کس مقام پر پٹک دیگا اور ہلاک کر کے چھوڑ دے گا۔

کارخیر میں تاخیر نہ کی جائے | ہانی بن عروہؓ اپنے فرزند کو نصیحت فرماتے تھے:-

ھب لی اثنتین زعموا وسوف لایکونان فی حدیثك۔ (ابن ابی شیبہ عبد بن حمید) دو چیزیں مجھے دے دو۔ ایک تو زَعَمُوْا یعنی بلا تحقیق یوں کہنا کہ لوگ ایسا کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں۔ اور دوسرا سَوْفَ یعنی یوں کہنا کہ میں فلاں کام اب کروں گا یا جب کروں گا۔ کیوں کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایسا کہنے والے ہمیشہ کہتے ہی رہتے ہیں کرتے کچھ نہیں۔ اپنے آپ کو کسی کارخیر کی جھوٹی امید لا کر دھوکہ میں رکھتے ہیں تا آنکہ عمر ہی ختم ہو جاتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا:

یوں ہی امید امید میں عمر تمام ہو گئی — شام سے صبح ہو گئی صبح سے شام ہو گئی

یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ 64-9
یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُدْخِلْهُ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِیْمُ ۝ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ 64-10
النَّارِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ع جس دن تم کو جمع کرے گا جمع کرنے
کے دن وہ دن ہے ہار جیت کا۔ اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور نیک کام کرے
اتار دے گا اس پر سے اس کی برائیاں اور داخل کرے گا اس کو باغوں میں جن کے نیچے

ع ۱۵

بہتی ہیں نہریں، رہا کریں ان میں ہمیشہ یہی ہے بڑی مراد ملنی، اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں انھوں نے ہماری آیتیں، وہ لوگ ہیں دوزخ والے رہا کریں اسی میں اور وہ بری جگہ جا پہنچے۔"

یہ آیہ کریمہ ارشاد سابق لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ سے متعلق ہے۔ یعنی تم کو تمہارے اعمال کی اطلاع اُس دن دی جائے گی جس دن تم سب کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے گا۔ اولین و آخرین جن و انس، سب کے سب اس دن جمع کئے جائیں گے تاکہ ان سے حیات دنیا کا حساب لیا جائے اور اس کے مطابق سزا و جزا تجویز کی جائے۔ اس کی تشریح حدیث شریف میں اس طرح فرمائی گئی ہے۔

محاسن اوصاف کی فضیلت حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا جمع اللہ الاوّلین والاٰخرین جاء مناد ینادی بصوت یسمع الخلائق کلّھم سیعلم اھل الجمع الیوم من اولیٰ بالکرم ثمّ یرجع مینادی لیقم الذین کانت تتجافی جنوبھم عن المضاجع فیقومون وھم قلیلٌ ثمّ یرجع فینادی لیقم الذین کانوا یحمدون اللہ فی البأساء والضرّآء فیقومون وھم قلیلٌ فیسرحون جمیعا الی الجنّۃ ثمّ یحاسب سائرالناس۔ جب اللہ سبحانہ تعالیٰ اولین و آخرین کو ایک جگہ

جمع فرمائے گا تو ایک منادی بلند آواز سے ندا کرے گا جس کو تمام خلائق سن سکیگی۔ کہ اس مجمع عظیم کو آج معلوم ہوجائے گا کہ اللہ سبحانہ کے فضل وکرم کے مستحق سب سے زیادہ کون ہیں؟ پھر وہ وہاں سے ہٹ کر اعلان کرے گا کہ جن کے پہلو خواب گاہوں سے دور رہتے تھے (یعنی جو بندے تہجد گزار تھے) وہ اٹھ کھڑے ہوں۔ یہ سنتے ہی (تہجد گزار) کھڑے ہوجائیں گے۔ (اس مجمع عام میں) ان کی تعداد تھوڑی سی ہی ہوگی پھر وہاں سے ہٹ کر وہ منادی دوسرا اعلان کرے گا کہ جو لوگ جہاد اور تکلیف کے موقع پر بھی اللہ سبحانہ کی حمد کیا کرتے تھے وہ کھڑے ہوجائیں۔ یہ صفت جن کی ہوگی اس کو سن کر وہ بھی کھڑے ہوجائیں گے (اس مجمع عظیم کے نظر کرتے) ان کی تعداد بھی تھوڑی سی ہوگی۔ (اسی طرح ایک ایک وصف اور خوبی رکھنے والی جماعتوں کو ندا کرکے اٹھایا جائے گا۔) اور وہ سب مل کر جنت کو سدھاریں گے۔ پھر دوسرے تمام لوگوں سے حساب لیا جائے گا۔" اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ محاسن اوصاف سے متصف ہیں وہ بلاحساب وکتاب جنت میں چلے جائیں گے۔

یوم التغابن کی تفسیر بہرحال جس دن سب کو قبروں سے اٹھا کر ایک جگہ اکٹھا کیا جائے گا وہی دن "تغابن" یعنی ہار جیت کا ہوگا۔ آج جس کی جیت رہی اس کی جیت ابدالآباد کے لئے رہی گو اس کو دوسرے میدانوں میں لوگ ہارا ہوا خیال

کرتے ہوں۔ اور اگر آج کسی کی ہار رہی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھویا گیا اور ہار دیا اگرچہ دوسرے میدانوں میں اسکو کتنی ہی کامیابیاں حاصل ہوئی ہوں۔ اصلی اور حقیقی ہار جیت کا دن آج کا دن ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:۔ مامن عبد یدخل الجنۃ الا اری مقعدہ من النار لو اساء لیزداد شکرا و مامن عبد یدخل النار الا اری مقعدہ من الجنۃ لو احسن لیزداد حسرۃ۔ کوئی بندہ جو داخل جنت ہوتا ہے ایسا نہیں جس کو اس کو ٹھکانا نہ بتا دیا جاتا ہو جو دوزخ میں تھا اگر وہ بد ہوتا (یہ اس لئے دکھا دیا جاتا ہے) تا کہ وہ اللہ سبحانہ کا شکر اور زیادہ ادا کرے۔ اسی طرح کوئی بندہ دوزخ میں جاتا ہے تو اس کو بھی اس کا ٹھکانہ نیک ہونے کی صورت میں جو جنت میں تھا دکھا دیا جاتا ہے تا کہ اس کی حسرت میں اور اضافہ ہو۔

جنتوں کی تعداد بنی آدم کی تعداد کے برابر ہے

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جنتوں کی تعداد اتنی ہے جتنے بنی آدم ہیں تا کہ اگر سب اللہ سبحانہ پر ایمان لائیں اور خود کو اس کا مستحق ثابت کریں تو ہر ایک کو اس کا حصہ دیدیا جائے رہی دوزخ۔ اس میں ایسے اہتمام کی حاجت نہیں۔ صرف اس کی آگ ہی میں یہ صفت ہے کہ اگر ایک عالم بلکہ پورے عوالم کو بھی اس میں جھونک دیا جائے تو دم بھر میں

سب کو جلا کر خاکستر کر دے اور دوسرے عالم کو لقمہ بنانے کے لئے منتظر رہے۔

عارف رومیؒ فرماتے ہیں:

عالمے را لقمہ کرد و درکشید معدہ اش نعرہ زناں ھل من مزید

لیکن آیۂ کریمہ فمنکم کافر ومنکم مؤمن سے معلوم ہوا کہ واقعتہً نہ سب مومن ہیں اور نہ سب کے سب کافر۔ بلکہ بعض کافر اور بعض مومن ہیں تو قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد کفار دوزخ میں ڈال دئے جائیں گے اور اہل ایمان اپنے اپنے درجات کے لحاظ سے بعض بلا حساب وکتاب اور بعض حساب وکتاب کے بعد اور بعض سزایاب ہوکر آخر کار جنت میں جائیں گے تو جو باغات اور جنتیں دوزخ میں گئے ہوئے لوگوں کے لئے تیار کی گئی تھیں ان کی نسبت جنتیوں کو اجازت دی جائے گی کہ اپنے استحقاقی جنتوں کے علاوہ ان جنتوں پر بھی قابض ہو جائیں جو ایمان لانے کی صورت میں اہل دوزخ کو ملنے والی تھیں تو اہل جنت ان جنتوں پر بھی اپنا قبضہ کرلیں گے۔ یہ ہے وہ ہار جیت جو "یوم التغابن" میں ہوگی کہ اہل ایمان کی ہر طرح سے جیت ہوگی ان کو اپنی جنت بھی ملے گی اور دوسروں کی خالی جنتیں بھی ان کو دی جائیں گی۔ رہے کافران کو دوزخ میں طرح طرح کی سزائیں اور عذاب ہیں۔ (العیاذ باللہ)

جیت کن کی ہے اور ہار کن کی ہوگی

اسی مضمون کو ان آیات کریمہ میں بتلایا جا رہا ہے کہ تم سب کو اللہ سبحانہ ایک دن ایک جگہ جمع فرمائے گا وہ روز اجتماع یوم تغابن یعنی ہار جیت کا دن ہے۔ اب جو کوئی اللہ سبحانہ پر ایمان لایا ہوا ہوگا اور کام بھی اچھے کئے تھے تو اس کو جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ اہل جنت ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس کے برخلاف جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ہمارے منکر رہے وہ دوزخ میں رہنے والے ہیں وہ بھی اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بری جگہ بازگشت کی ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:۔

4-11 مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ

4-12 يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ

4-13 فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ

اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ نہیں پہنچتی کوئی تکلیف

بدوں حکم اللہ کے اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر وہ راہ بتلائے اس کے دل کو اور

اللہ کو ہر چیز معلوم ہے۔ اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ موڑو تو

۲۸ (۱۱ تا ۱۳)

ہمارے رسول کا تو یہی کام ہے پہنچا دینا واضح طور پر۔ اللہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اللہ پر چاہیئے بھروسہ کریں ایمان والے"۔

ہر مصیبت حکم الٰہی سے آتی ہے

تکلیف خواہ وہ ہار جیت کے دن اللہ کے منکرین اور اس کی آیات کو جھٹلانے والوں کو پہنچی خواہ وہ جو دنیا میں نیک و بد سب کو پہنچتی رہی۔ سب کچھ اللہ سبحانہ کے حکم سے ہے۔ آخرت کی تکلیف جو منکرین و مکذبین کو پہنچے گی وہ اللہ سبحانہ کا عین عدل ہے کہ اللہ سبحانہ کے کیسے کیسے انعامات و احسانات تھے جن کو منکرین و مکذبین اپنی خاطر میں نہ لا کر ان کی قدر نہ جانی بلکہ ہر احسان کے بدلے میں کفران کرتے رہے۔ کفران کی سزا ابتدا دی گئی تھی ولئن کفرتم ان عذابی لشدید "اور اگر تم کفران نعمت کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے"۔ اس کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ اس کے لئے آج سزا و جزا کا دن مقرر کیا گیا تھا۔ نامہ اعمال بنا کر، حساب لے کر، جرم ثابت ہونے کی بنا پر آج جو سزا تجویز ہوئی ہے وہ ہمارے حکم سے ہے۔ ہمارے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ جو سزا تجویز کی گئی اس میں کسی ظلم و زیادتی کو روا نہیں رکھا گیا۔ اس کو ابدالآباد کے لئے بھگتنا ہوگا۔

دنیا میں مومن کی مصیبت امتحانی ہے

اسی طرح دنیا میں جو تکلیفیں نیکوں اور

بدوں دونوں کو پہنچی ہیں وہ عین حکمت کا اقتضاء تھا۔ نیکوں کی تکلیفیں امتحان وابتلا کے لئے تھیں کیوں کہ دنیا امتحان گاہ تھی۔ جو اس میں پورا اتریگا اس کے درجات بلند ہونگے۔ کافر کو اگر اللہ سبحانہ پر ایمان ہوتا تو اس کا دل بھی اس سے مطمئن رہتا اللہ والوں کو دیکھو۔ ان کے احوال پڑھو تو معلوم ہوگا کہ ان محبوبان بارگاہ صمدیت کو کن کن مصائب و آلام سے سابقہ رہا۔ اور وہ ہر موقع پر کس طرح رضا و تسلیم پر قائم رہے اور اپنی عاقبت کو سدھارنے اور سنوارنے کی خاطر کس طرح ہر مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کا ابتلاء اور حضرت ایوب کا صبر تو مشہور ہی ہے خود حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیتؑ اطہار اور صحابہؓ کبار پر کیسی گزری؟ صفحات تاریخ و سیر ان واقعات سے مالا مال ہیں۔ کیا کبھی کسی موقع پر ان کے پائے ثبات میں کسی نوع کی لغزش آئی اور کیا کبھی ان مقدس ہستیوں سے رضا و تسلیم کا دامن ہاتھ سے جا سکا؟ آخر اس کا سبب کیا تھا وہی نور ایمان کہ وہ جس دل میں گھر کر لیتا ہے تو عرفان و ایقان کی راہ ان پر کھل جاتی ہے۔ اب ان کو کوئی تکلیف یا مصیبت اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتی تھی۔ بلکہ ایک ایک مصیبت و تکلیف، صبر و استقامت کی نئی راہ ان پر کھول دیتی تھی۔ اور وہ اسی روشنی اور نور سے ہر مصیبت و تکلیف کا بہترین انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ

لیتے تھے۔ اس ایمان کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا ہوا ہے۔ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے :—

اطاعت خدا و رسول ہر مصیبت کا علاج

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ہر حال میں اطاعت اللہ کی کئے جاؤ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت میں لگے رہو تو تمھارے لئے بھی وہ راہیں کھول دی جائیں گی اور تمھارے قلوب مطمئن ہوں گے کہ ہم پر جو کچھ گزر رہی ہے وہ کسی اور کی لائی ہوئی مصیبت یا تکلیف نہیں ہے بلکہ ہمارے فائدے کے لئے اللہ سبحانہ کے حکم سے آئی ہوئی ہے تاکہ ہمارا امتحان کیا جائے۔ پھر نہ اس پر کسی امر کا شکوہ رہیگا اور نہ کسی سے کوئی شکایت۔ بلکہ اطاعت خدا و رسول ہی ہر مصیبت و تکلیف کا علاج ہے۔

مصیبت، رضا و تسلیم کا درس دیتی ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :—

ھی المصیبات تصیب الرجل فیعلم انّھا من عند اللہ فیسلم لھا و یرضیٰ۔ (سعید بن منصور) یہ وہی مصیبتیں ہیں جو انسان کو پہنچتی رہتی ہیں تو وہ یقین کرتا جاتا ہے کہ یہ سب اللہ سبحانہ کے پاس سے (میرے امتحان کے لئے) آئی ہیں۔ اس بنا پر وہ رضا و تسلیم سے کام لیتا ہے۔"

حضرت علقمہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر، بیہقی) اس سے معلوم ہوا کہ مصائب و آلام ہی سے رضا و تسلیم کا درس حاصل ہوتا ہے۔

مصیبت کی بدولت عرفان حاصل ہوتا ہے

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ یھد قلبہ للیقین فیعلم ان ما اصابہ لم یکن لیخطئہٗ وما اخطاہ لم یکن لیصیبہ (ابن جریر، ابن المنذر) (جو اللہ پر ایمان لاتا ہے تو اللہ سبحانہ) اس کے دل کو یقین کی راہ پر لگا دیتا ہے۔ اب وہ یہ جاننے لگتا ہے کہ جو چیز بھی اس کو پہنچی وہ اس سے چھوٹ کر کہیں اور جا نہیں سکتی تھی۔ اور جو چیز اس سے چھوٹ گئی وہ کبھی اس کو ملنے والی نہ تھی۔"

ہدایت قلب کی علامت

حضرت ابن جریج فرماتے ہیں:۔ من اصاب من الایمان ما یعرف بہ اللہ فھو مھتدی القلب۔ (ابن المنذر) جس کو ایمان سے اتنا بہرہ مل گیا جس سے وہ اللہ سبحانہ کو پہچان سکتا ہے تو یہ سمجھ لو کہ ایسا شخص ہدایت قلبی پا چکا ہے۔"

ثمرۂ ایمان معرفت الٰہی

بہرحال مومن کے ایمان کا یہ ثمرہ ہونا چاہیے کہ اس سے معرفت الٰہی حاصل ہو۔ جس کو معرفت حاصل ہوگئی تو وہ تمام کام جو دنیا میں ہو رہے ہیں ان کی نسبت یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہر کام قدرت و تدبیر الٰہی سے ہو رہا ہے

اور ہر کام کے پیچھے دست قدرت کار فرما ہے اور جس کو یہ بات نصیب ہوئی وہ مطمئن رہتا ہے اس کے تمام شکوک وشبہات اور سارے خیالات واوہام کافور ہو جاتے ہیں۔ بس دنیا میں بھی اس کو اطمینان نصیب ہوتا ہے اور وہ اپنے تمام کام اللہ سبحانہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ اسی مضمون کو اس آیہ شریفہ میں بیان فرمایا جا رہا ہے :—

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی سارے عوالم میں کارفرما ہے (تو وہی سب کا معبود ہوا) اس کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں لہٰذا ایمان والوں کو چاہیئے کہ ہر امر میں اللہ سبحانہ پر ہی اپنا اعتماد اور بھروسہ رکھیں "۔ جب اللہ پر بھروسہ ہو تو نہ کوئی مصیبت اس کو پریشان کر سکتی ہے اور نہ کسی چیز کے جانے کا اس کو کوئی رنج وغم ہوتا ہے۔ یہ جملہ پریشانیاں اور شکوے شکایات محض توکل کے نہ ہونے یا اس میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جانے کی نشانی ہے۔ اولیاء اللہ اور اہل عرفان کے نزدیک کوئی رنج وغم آ نہیں سکتا۔ اگر آتا بھی ہے تو وہ اس کو تحفۂ الٰہی جان کر مسرور رہتے ہیں۔

عدم عرفان عدم اطاعت کی دلیل ہے اگر یہ بات ہم کو حاصل نہیں ہے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کا جو حکم اوپر سنایا گیا ہے اس کی تعمیل میں کچھ کسر رہ گئی ہے اس کمی کو پورا کرنا ہے۔ اگر اس سے روگردانی کروگے تو

صاف صاف سنا دیا جا رہا ہے :۔ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ۔ لہٰذا اگر تم اس سے منہ پھیر لوگے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف
اللہ سبحانہ کا پیام تم تک پہنچا دینا ہے جو پہنچا دیا گیا ہے ۔ اللہ رسولؐ کی اطاعت
میں تم کو تمہارا ہاتھ پکڑ کر لگا دینا نہیں ہے لہٰذا یہ توقع عبث ہے کہ تم تو اپنی ذات سے
اللہ سبحانہ اور اس کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت پر مائل نہ ہو
اور اللہ اور اس کے رسول زبردستی کر کے تمہاری مرضی کے خلاف تمہیں اس راہ پر لا کھڑا
کر دیں ۔ اگر ایسا ہوا تو یہ ایک قسم کا جبر و اکراہ ہوا ۔ حالانکہ دین کے باب میں جبر و
اکراہ کو مطلقاً دخل نہیں یہ اپنی اپنی مرضی اور خوشی کا سودا ہے ۔

14 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا
لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
15 غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ
اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اے ایمان والو! تمہاری بعض بی بیاں اور اولاد دشمن ہیں
تمہارے لہٰذا ان سے بچتے رہو ۔ اور اگر معاف کر دو اور درگزر و اور بخشو تو اللہ
ہے بخشنے والا مہربان تمہارے مال اور تمہاری اولاد یہی ہیں محل امتحان اور
اللہ جو ہے اس کے پاس ہے بڑا ثواب ۔

شان نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں :—

نزلت هذه الآية في قوم من اهل مكة اسلموا وارادوا ان يأتوا النبي صلى الله عليه وسلم فابى ازواجهم واولادهم ان يدعوهم فلما اتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم فرأوا الناس قد فقهوا في الدين هموا ان يعاقبوهم فانزل الله يا ايها الذين آمنوا ان من ازواجكم واولادكم عدوا لكم فاحذروهم الآية ۔ (فریابی عبد بن حمید ترمذی ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ) یہ آیہ کریمہ فاحذروھم تک مکہ کے ان لوگوں کے باب میں نازل ہوئی جو مسلمان ہوچکے تھے پھر وہاں سے ہجرت کرکے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہونا چاہتے تھے تو ان کی بی بی بچوں نے ان کو رخصت ہونے سے روک دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد (بی بی بچوں نے بھی اسلام قبول کرلیا اور سب مل کر) خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ (جو لوگ ان کے ساتھ مسلمان ہوکر مدینہ پہنچ چکے تھے وہ دین کی باتیں سیکھ کر فقیہ بن چکے تھے۔ اب انہوں نے چاہا کہ اپنی بی بی بچوں کو (جو ہجرت سے مانع ہوئے تھے) سزا دیں تو آیہ کریمہ کا آخری حصہ وان تعفوا تا آخر نازل ہوا۔

بعض بی بی بچے دشمن آیت کریمہ کا ماحصل یہ ہے کہ انسان اپنی بی بی بچوں کے ساتھ بے حد محبت رکھتا اور اُن کی طرف سب سے زیادہ مائل رہتا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ان بی بی بچوں میں بعض اس کے دشمن ثابت ہوتے ہیں، دین کے دشمن ہوں یا دنیا کے۔ دین ہی انسان کے حسن و قبح کو پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ جب دیکھو کہ وہ خدا و رسول کی راہ میں حائل ہو رہے ہیں تو سمجھ لو کہ اب وہ اس کے دوست نہیں رہے بلکہ عداوت کا سلوک کر رہے ہیں۔ جب نوبت یہاں تک پہنچنے لگے تو انسان کو چاہئے کہ ان سے خود کو محتاط رکھے۔ کیوں کہ دشمن دین و ایمان کے ساتھ دوستی نہیں کی جا سکتی۔ اگر ایسا نہ کرکے اس نوبت پر بھی ان سے دوستی قائم رکھی اور خدا و رسول پر ان کو ترجیح دی تو اس کا نتیجہ دین و ایمان اور ان کے برکات سے محرومی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ جو لوگ مسلمان ہوئے مگر ہجرت نہ کی اور اسی طرح ایک عرصہ گزار کر مدینے آئے تو ان کو اپنا نقصان صاف طور پر معلوم ہو چکا کہ ان کے ساتھیوں نے کیسی ترقی کی اور علم و عرفان اور تفقہ دینی میں کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور یہ خود ہیں کہ ابتدائی منزل میں پڑے ہوئے ہیں اور ہموں آتش در کاسہ کا مصداق ہے۔

بی بی بچوں کو معافی دے دیا کرو اس پر بی بی بچوں سے ناراض ہو کر ان کو سزا دینا چاہتے تھے۔ یہ دوسری نادانی تھی کہ اپنی غفلت اور ناعاقبت اندیشی کا

بوجھ دوسروں پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اگر ازواج و اولاد نے راہ خدا سے ان کو روکنا چاہا تو عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں اور بچے سمجھ بوجھ نہیں رکھتے اس لئے انھوں نے اپنی کم فہمی یا نافہمی کا ثبوت دیا۔ افسوس تو ان مسلمانوں پر تھا جو عقل و فہم رکھتے ہوئے ان نادانوں کی بات مان لی۔ پھر ان کو اب سزا دینے سے کیا حاصل کہ کھویا ہوا وقت دوبارہ آ نہیں سکتا اور نہ اس سزا دہی سے گزشتہ نقصان کی تلافی ہوسکتی ہے۔ اس لئے اللہ سبحانہ نے نہایت موثر انداز میں فرمایا:۔ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ اور اگر تم ان کو معافی دے دو اور ان کی غلط رہنمائی سے درگزر کرو اور ان کی غلطی کو بخش دو اللہ سبحانہ ان کو اور تم کو دونوں فریق کو بخش دے گا کیونکہ مغفرت و رحمت اللہ سبحانہ کی صفات قدیمہ ہیں"۔ غور کیجئے کہ نادانوں کی بیجا سرزنش کو کس تاکید کے ساتھ منع فرمایا جا رہا ہے کہ تین صیغے تعفوا۔ تصفحوا۔ تغفروا مسلسل ارشاد ہو رہے ہیں پھر دوسروں کو معافی دینے، درگزر کرنے اور بخش دینے پر امید دلائی جا رہی ہے کہ اگر تم ان کے ساتھ ایسا سلوک معافی، درگزر اور بخشش کا کرو گے تو اللہ سبحانہ تم کو بھی معافی دے گا۔ درگزر فرمائے گا۔ بخش دے گا۔

اموال و اولاد محل امتحان پھر فرمایا:۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ

فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۔ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد یہی تو امتحان گاہ ہیں ۔ مال وجائداد رکھتے ہو تو اس پر فخر و غرور نہ کرو، بلکہ اس کے ذریعہ اللہ سبحانہ کی خوشنودی حاصل کرو ۔ اور صاحب اولاد ہو تو یہ بھی تمہاری برتری کا سبب نہیں بلکہ ان کی تربیت کرو ۔ خدا و رسول کی راہ پر ان کو لگائے رکھو ۔ یہ نہیں کہ ان کو نصیحت کرنے کی جگہ تم خود ان کی نادانی کی باتوں میں آکر اپنا اور ان کا دونوں کا نقصان کرلو ۔ مال و اولاد کی محبت کچھ کام نہ آئے گی ۔ اللہ سبحانہ سے اپنی لو لگائے رکھو کہ یہی سرمایہ مفید و کارآمد ہے اور سرمایہ کہلانے کا مستحق دراصل یہی محبت خدا و رسول ہے ۔

من ازواجکم میں ایک نکتہ پھر من ازواجکم کے ذریعہ یہ اشارہ فرمایا کہ تمام ازواج و اولاد، راہ خدا سے روکنے والے نہیں ۔ اگر ایسا ہوتا تو نکاح کے احکام کیوں صادر ہوتے اور اس کی ترغیب کیوں دی جاتی اور اولاد کی محبت کے طریقے کیوں سکھائے جاتے ؟ اور نہ تمام کے تمام راہ خدا پر چلنے میں ممد و معاون ہوتے ہیں ۔ اگر ایسا ہوتا تو طلاق و تفریق اور فسخ نکاح کے مسائل کیوں سکھائے جاتے ۔ اور اولاد کی تنبیہ و تادیب کے احکام کیوں سنائے جاتے ۔ بلکہ یہاں یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ ان میں دونوں گروہ شامل ہیں ۔ بعض ازواج و اولاد

راہ خدا سے روکتے ہیں تو دوسرے بعض ایسے بھی ہیں جو راہ خدا کے سلوک میں ممد و معاون ہوتے ہیں ۔ان دونوں میں فرق و امتیاز کرنا ہی محل امتحان ہے ۔جہاں تم کو آزمایا جائے گا اور تمہارا امتحان لیا جائے گا۔اس کی کامیابی بھی بڑی کامیابی ہوگی ۔ازواج و اولاد ہی انسان کی کامیابی کا پہلا زینہ ہے ۔اگر ان کو خدا اور رسول کی راہ پر لگا دو تو وہ اس راہ میں تمہارے ممد و معاون ثابت ہونگے کہ گھر کی اصلاح کے بعد ہی انسان باہر والوں کی اصلاح کر سکتا ہے ۔

حضرات حسنین کا واقعہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :—

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فاقبل الحسن والحسین رضی اللہ عنہما علیہما قمیصان احمران یمشیان و یعثران فنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المنبر فحملہما واحدا من ذا الشق و واحدا من ذا الشق ثم صعد المنبر فقال صدق اللہ قال انما اموالکم و اولادکم فتنۃ انی لما نظرت الی ھذین الغلامین یمشیان و یعثران لم اصبر ان قطعت کلامی و نزلت الیہما ۔(ابن ابی شیبۃ امام احمد ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ حاکم ابن مردویہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے ۔اتنے میں (صاحبزادوں) (سیدنا) حسن و (سیدنا) حسین

رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو سرخ دھاری دار قمیص زیب تن کئے ہوئے تھے ادھر کا رخ کیا۔ اور لڑھکتے پھڑکتے آنے لگے۔ یہ حالت مشاہدہ فرماتے ہی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف سے اتر پڑے اور ان کو اٹھا لیا۔ ایک کو اِس جانب اور ایک کو اُس جانب۔ پھر منبر پر چڑھ کر فرمایا۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد سچ ہے جو فرمایا کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد امتحان کا ذریعہ ہے۔ جب میری نظر ان دونوں پر پڑی کہ یہ لڑھکتے پھڑکتے آ رہے ہیں تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ کلام قطع کرکے ان کے لئے (بے اختیار) اتر پڑا۔"

سیدنا حسینؑ کا واقعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دوسرا واقعہ بیان فرماتے ہیں:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینما ھو یخطب الناس علی المنبر خرج الحسین بن علی رضی اللہ عنہما فوطیٔ فی ثوب کان علیہ فسقط وبکی فنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المنبر فلما رأی الناس اسرعوا الی الحسین رضی اللہ عنہ یتعاطونہ یعطیہ بعضھم بعضا حتی وقع فی ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال قاتل اللہ الشیطان ان الولد فتنۃ والذی نفسی بیدہ ما دریت انی نزلت عن منبری۔ (ابن مردویہ) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف پر سے

لوگوں کو مخاطب فرمارہے تھے کہ ایسے میں حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما برآمد ہوئے جو لباس زیب تن تھا اس کا کوئی گوشہ پاؤں میں آجانے سے گر پڑے اور رونے لگے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر سے اتر آئے۔ یہ صورت حال لوگوں نے دیکھی تو ان کو ہاتھ بہ ہاتھ ایک دوسرے کی طرف بڑھاتے گئے تا آں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست فیض میں پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا شیطان کا ناس کرے۔ بچہ بھی ایک امتحان ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے معلوم تک نہ ہو سکا کہ میں منبر پر سے اتر پڑا ہوں۔"

صاحبزادوں پر حضور کی شفقت عام یہی نہیں بلکہ شفقت مبارک کا یہ حال تھا کہ حضرت یحییٰ بن ابی کثیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکاء حسن او حسین فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الولد فتنة لقد قمت الیه وما اعقل۔ (ابن المنذر) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی حضرت حسنؓ یا حسینؓ کے رونے کی آواز سن پاتے تو فرماتے کہ بچہ بھی امتحان کا ذریعہ ہے میں (اس کے رونے کی آواز سن پاتا ہوں تو اس کے لئے کھڑا ہو جاتا ہوں اور میں اس حالت کو جانتا تک نہیں۔"

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا

خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

لہذا اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے۔ اور سنو اور مانو اور خرچ کرو اپنے بھلے کو' اور جس کو بچا دیا گیا نفس کے لالچ سے تو وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے۔"

جب صورت حال یہ ہے جو اوپر بیان ہوئی تو تمھارے لئے چارۂ کار یہ ہے کہ تم سے جہاں تک ہو سکے اللہ سبحانہ سے ڈرتے رہو۔ اور جو احکام دئے جاتے ہیں ان کو سمع قبول کے ساتھ غور سے سنا کرو اور ان کے مطابق اطاعت کئے جاؤ اور اللہ نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس کو اپنے نفس کے بھلے کے لئے خرچ کیا کرو اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مال محل امتحان ہے۔ نفس انسانی بخل پر مائل ہے۔ اس سے بچنے کی ضرورت ہے لہذا جس کسی کے توفیق الٰہی شامل حال رہی اور اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ بامراد ہیں "۔ بخل ایسی بری بلا ہے کہ جس کسی پر یہ غالب آتی ہے تو اس کو صرف دولت کمانے کی دھن لگی رہتی ہے خواہ وہ جائز طریقہ سے ہو یا ناجائز پھر جو کچھ ملا اس کو جوڑ جوڑ کر جتن کرتا جاتا ہے۔ نہ خود کھاتا۔ نہ دوسرے کو دینا پسند کرتا ہے۔ اپنے نفس کا حق بھی بھول جاتا ہے اور دوسرے مستحقین کے حقوق بھی پامال کر کے ان کو تباہی میں ڈالتا' اور اس طرح سارے معاشرے کو برباد کر دیتا ہے ناصحین اس کو نصیحتیں کرتے ہیں مگر اس کے کان پر جوں تک نہیں دوڑتی۔ آخر

سبب کیا ہے؟ مال کی محبت اس پر غالب آ گئی ہے۔ خدا و رسول کی محبت اس کے دل میں کچھ بھی ہوتی تو کبھی نہ کبھی توفیق الٰہی اس کا ساتھ دیتی۔ یہاں بنیاد ہی غلط پڑی ہے۔ اس پر جو عمارت قائم ہوگی اس کا اندازہ بھی کر لیجئے۔

بخل کا علاج ایسے لوگوں کا علاج یہی ہے کہ ان کو خدا سے ڈرنے، اس کے احکام سننے، ان پر عمل کرنے اور اپنے ہی بھلے کے لئے خرچ کرنے کی تلقین کی جائے ــــ گوش زدہ اثرے دارد کی مثل مشہور ہے۔ کبھی نہ کبھی حقیقت حال اس کی سمجھ میں آ جائیگی پھر توفیق الٰہی شامل حال ہوگی اور بخل کا پرانا روگ دور ہوتا جائے گا نصیحت کی ابتدا خوف خدا سے تھی۔ اس میں تدریجی رفتار اختیار کی جائے۔ یعنی یوں کہا جائے کہ بھائی جان! تم سے جتنا ہو سکے کوشش کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ کماحقہ ڈرنا نہیں ہو سکتا تو جس قدر ہو سکتا ہے اتنا تو ڈرتے رہو۔ پھر دیکھو اس کے کیا کیا ثمرات حاصل ہوتے ہیں؟

شان نزول حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں:ــ لما نزلت اتقوا اللہ حق تقاتہ اشتد علی القوم العمل فقاموا حتی تورمت عراقیبھم وتقرحت جباھھم فانزل اللہ تخفیفا علی المسلمین فاتقوا اللہ ما استطعتم فنسخت الآیۃ الاولیٰ۔ (ابن ابی حاتم) جب (سورہ آل عمران کی) آیہ کریمہ

اتقوا اللہ حق تقاتہ نازل ہوئی جس میں حکم تھا کہ اللہ سبحانہ سے ڈرنے کا جیسا حق ہے ایسا ڈرتے رہو تو لوگوں پر اس کے مطابق عمل آوری دشوار ہوگئی۔ وہ اس کی تعمیل میں کمربستہ ہوگئے۔ نمازیں پڑھنے لگے تو اس میں کھڑے رہتے رہتے ان کے ٹخنوں کے پیچھے کی رگیں سوج گئیں۔ سجدہ کرتے کرتے پیشانیاں زخمی ہونے لگیں۔ پھر اللہ سبحانہ نے مسلمانوں کو سہولت بخشی اور حق تقاتہ کے عوض ما استطعتم کا حکم فرمایا یعنی جہاں تک ہوسکے اللہ سے ڈرتے رہو تو حکم سابق برخاست ہوگیا۔ صحابۂ کرام سے اللہ سبحانہ راضی رہے کہ جو حکم ملا اس کی تعمیل پر کمربستہ ہوگئے۔ کیسی ہی سختی محسوس ہو جوش عمل سے کام لیا۔ اس پر اُف تک نہ کہا۔ ان ہی بزرگوں کا طفیل ہے کہ آج ہم کو یہ سہولت حاصل ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم عنا۔

ما استطعتم کی تفسیر حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ ھی رخصۃ من اللہ کان اللہ انزل فی سورۃ آل عمران اتقوا اللہ حق تقاتہ وحق تقاتہ ان یطاع فلا یعصی ثم خفف عن عبادہ فانزل الرخصۃ۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا قال والسمع والطاعۃ فیما استطعت یا ابن آدم علیہا بایع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابہ علی السمع والطاعۃ فیما استطاعوا۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) یہ سہولت ہے جو

جو اللہ سبحانہ کی طرف سے بخشی گئی۔ ورنہ سورۂ آل عمران میں اتقوا اللہ حق تقاتہ کا حکم تھا کہ اطاعت ایسی کی جائے جس میں عصیاں و نافرمانی کا دخل تک نہ ہو۔ پھر اللہ نے اپنے بندوں پر تخفیف سے کام لیا اور سہولت کا حکم نازل فرمایا یعنی فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے ابن آدم! تجھ سے جتنا ہو سکے احکام سنتا جا اور ان کی بجا آوری میں لگا رہ۔" حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحابؓ سے اسی پر بیعت لیتے تھے کہ احکام کا سننا اور ان پر عمل کرنا اسی حد تک ہے جتنا ان سے ہو سکے۔

حضور اکرم کا ایک خطبہ حضرت حکم بن حزن کلفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

وفدنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلبثنا ایاما شھدنا فیھا الجمعۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام متوکا علی قوس فحمد اللہ واثنی علیہ کلمات طیبات خفیفات مبارکات ثم قال ایھا الناس انکم لن تطیقوا کل ما امرتم بہ فسددوا وابشروا۔ (ابن سعد، امام احمد، ابو داؤد) ہمارا ایک وفد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا۔ چنانچہ ہم یہاں کئی دنوں تک ٹھہرے رہے۔ اس اثناء میں ہم کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جمعہ میں شریک رہنے کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔ اس میں آپ نے خطبہ دینے کے لئے کمان کے سہارے قیام فرمایا۔ چنانچہ آپ نے ابتداء میں اللہ سبحانہٗ کی

حمد وثنا میں چند پاکیزہ کلمات مختصر اور جامع ارشاد فرمائے۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا لوگو! تم کو جس قدر احکام دیئے جاتے ہیں ان سب پر عمل پیرا ہونا تم سے کبھی نہ ہو سکے گا — فسددوا وابشروا۔ لہٰذا میانہ روی اختیار کرو کہ یہی راہ صواب ہے اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ سبحانہٗ تمہارے تھوڑے سے عمل پر بہت بڑی جزا دے گا۔"

شُحّ کی تفسیر حبیب بن شہاب عنبری اپنے بھائی سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا:

لقیت ابن عمر یوم عرفۃ فاردت ان اقتدی سیرتہ واسمع من قولہ فسمعتہ اکثر ما یقول اللھم انی اعوذ بک من الشح الفاحش حتی افاض ثم بات بجمع فسمعتہ ایضا یقول ذلک فلما اردت ان افارقہ قلت یا عبد اللہ انی اردت ان اقتدی بسیرتک فسمعتک اکثر ما تقول ان تعوذ من الشح الفاحش قال وما ابغی افضل من ان اکون من المفلحین قال اللہ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون (عبد بن حمید) عرفہ کے دن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے چاہا کہ آج وہ جو روش اختیار کرتے ہیں اس کی اقتدا کروں اور ان کی دعائیں سنوں۔ چنانچہ میں سنتا رہا کہ آپ اکثر یہی دعا کرتے رہے کہ الٰہی! بخل اور حرص کے غلبہ سے میں آپ کی پناہ ڈھونڈتا ہوں۔" عرفات سے واپس ہونے تک آپ یہی دعا فرماتے رہے۔ پھر مزدلفہ میں شب گزاری تو وہاں بھی آپ سے یہی دعا سنتا رہا۔ جب میں آپ سے رخصت ہونے لگا تو اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ آخرت کی کامیابی سے بڑھ کر اور کیا چاہوں؟ اللہ پاک نے فرمایا ہے جو کوئی اپنے نفس کے بخل اور حرص سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ بامراد ہیں۔"

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ 64-17

شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۙ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۠ 64-18

اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح قرض دینا وہ دوتا کرے تم کو اور بخشے تم کو۔ اور اللہ قدرداں ہے تحمل والا۔ جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا۔ زبردست حکمت والا"۔

مطلب یہ کہ یہاں اس کے بتائے ہوئے مصارف پر جو کچھ خرچ کروگے نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ، وہ خرچ نہیں بلکہ قرض ہے جو اللہ سبحانہ کو دیا جارہا ہے۔ ایسی دادودہش ضائع نہ جائے گی بلکہ اس کا اجر ایک کے بدلے دس، ستر، سات سو بلکہ اس کا بھی اضعافاً مضاعفہ معاوضہ ملے گا۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ اپنے بندوں کا قدرداں ہے اور تحمل والا ہے۔ قدردانی یہ کہ ایک کے بدلے میں دس سے لیکر سات سو تک بلکہ اس سے بھی کئی گنا اضافہ ملے گا۔ یہ تو مال کا صلہ ہوا۔ اسی طرح دنیا میں جو جو نیک کام کیجئے۔ خواہ وہ ہاتھ پاؤں سے ہو یا زبان یا دل سے، اپنی اپنی حسن نیت اور اخلاص عمل کے لحاظ سے اس کا اجر بھی ملیگا۔ اور بردباری و تحمل یہ کہ اگر کوئی گناہ یا قصور سرزد ہو تو اس کی سزا فوراً نہیں دی جاتی۔ بلکہ اللہ سبحانہ کا حلم کارفرما رہتا ہے اور اس کو ڈھیل دی جاتی ہے تاکہ اس کو توبہ کا موقع مل سکے۔ کسی نے توبہ نہ کی تو اس پر بھی حق تعالیٰ جل مجدہٗ کا حلم کارفرما رہتا ہے۔ چاہے تو معاف فرمادے۔

اپنے فضل سے یا شفاعت و سفارش کی بنا پر۔ اور چاہے تو آخرت میں سزا دے
سزا میں حلم یہ کہ گناہ کی جو سزا مقرر ہے اس سے کمتر اور معمولی سزا یا تنبیہ پر اکتفا فرمائے
اگر پوری سزا بھی تجویز ہوئی تو حلم الٰہی کا کم از کم اتنا فائدہ تو ضرور ہے کہ آخرت آنے تک
سزا میں تاخیر فرمائی گئی۔ یہ بھی کیا کم عنایت ہوئی؟ اوس علیم و خبیر جل جلالہ کی ذاتِ
پاک کو ہر چیز کا خوب علم ہے خواہ وہ شئی پوشیدہ ہو یا علانیہ۔ نیز وہ زبردست ہے
کوئی زور آور اس سے چھوٹ نہیں سکتا۔ اور اس کے آگے کسی کی چل نہیں سکتی۔ بڑی
حکمت والا ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ سزا دینا ہو یا اس میں کمی
کر دینا یا بالکلیہ معافی دے دینی یا سزا میں تخفیف۔ جس کے ساتھ جو سلوک بھی ہو
وہ حکمت پر مبنی ہے۔ ایسے صفات والے واحد و یکتا خدا کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے اور
اس کے سوا دوسرے معبودان باطل سے کیا پاؤ گے؟ ان کے پاس کیا رکھا ہے؟

ایک حدیث قدسی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ یقول اللہ استقرضت
عبدی فابی ان یقرضنی وشتمنی عبدی وھو لا یدری یقول واد ھراہ
وادھراہ وانا الدھر۔ (حاکم بروایت صحیحہ) اللہ سبحانہ کا ارشاد (حدیث قدسی
میں) ہے کہ میں نے اپنے بندے سے قرض چاہا۔ تو اس نے مجھے قرض دینے سے تک

انکار کیا۔ اور ہائے زمانہ، ہائے زمانہ کہہ کر مجھ سے گستاخانہ کلام کیا۔ زمانہ تو میں تھا۔ اور اس کی گردش میرے ہاتھ تھی مجھے نہ پہچانا۔"

نادار کی خیرات اچھی بات

ابو حیان کے والد اپنے شیخ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ شیخ موصوف جب کسی سائل سے من ذاالذی یقرض اللہ قرضا حسنا کی صدا سنتے (کچھ نہ ہوتا) تو یہ کلمات فرماتے:۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ (عبد بن حمید)

اللہ سبحانہ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ ساری تعریفیں اسی کو سزاوار ہیں۔ اس کے سوا کوئی ہستی لائق پرستش نہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی ذات ہی سب سے بڑھ کر اور برتر ہے۔"

گویا یہ مقولہ آیہ کریمہ قول معروف ومغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعھا اذی۔ کی تفسیر ہے۔ اچھی بات اور معافی چاہنی اس خیرات سے کہیں بہتر ہے جس کے پیچھے فقیر کے حق میں ایذا رسانی ہو رہی ہو۔ خواہ اس کو زحمت انتظار دیجئے یا وہ خیرات محض نام ونمود کے لئے ہو۔

بہرحال حسن نیت اور اخلاص کی بات ہی اور ہے۔

سورۂ تغابن کی تفسیر ختم ہوئی

وللہ الحمد والمنہ۔ وصلی اللہ تعالی وسلم
علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

۶؍ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۷۶ھ پنجشنبہ